© rasailojaraid.com

تم کو بے مہریٔ یارانِ وطن یاد نہیں

از جناب وحید احمد مسعود صاحب شیخوپور - بدایوں

نومبر کے بُرہان میں درس گاہِ دیوبند کے متعلق "نظرات" میں جو اظہارِ خیال کیا گیا ہے وہ خلوص و صداقت پر مبنی ہے اور درحقیقت ایک شعر ہے جس نے مرزا داغ کا ایک شعر یاد دلایا -

اظہارِ عشق میں ہمیں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا

اس اشارے نے خیالات میں ہیجان پیدا کر دیا۔ جان، ہان کے فرق کو بھول گیا اور سمجھنے لگا کہ "نظرات" والے شعر میں قافیہ و ردیف غائب ہے۔ طبع موزوں رکھتا ہوتا تو سقم دور کر دیتا۔ اب چند بھولی ہوئی باتیں لکھ کر مفہوم بتانا چاہتا ہوں۔ میری بے ربطی البتہ قابلِ معافی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا محمد علی صاحب چندواڑہ جیل سے رہائی کے بعد جب ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی میں مقیم تھے تو مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے میر محفوظ علی صاحب بی اے بدایونی سے کہا تھا کہ عزتِ گم شدہ حاصل کرنے کے لئے علماء کو لیجسلیچر کے انتخابات میں حصہ لینا ضروری ہے۔ کیونکہ قوم کی صحیح نمائندگی وہی کر سکتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ پارلیمنٹری سکریٹری کی حیثیت سے مشرقی اضلاع کا جب پہلا دورہ کیا تو اعظم گڈھ میں ارباب دارالمصنفین نے مجھ پر بہترین شفقت فرما کر اپنے یہاں چائے کی دعوت پر مدعو کیا۔ لیکن وقتِ مقررہ پر دعوت شری الگورائے شاستری ایم ایل اے کے یہاں ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وجہ سے کہ انھوں نے یہ بات دارالمصنفین سے براہِ یگانگت طے کرلی تھی۔ انتقالِ دعوت پر اتحاد و یک جہتی کا مجھے اعتراف تھا۔ مگر آنِ واحد کے لئے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ علمار کی خودی میں محکومیت کی سی کوئی چیز تھی اور کچھ احساس کمتری کا بھی شائبہ تھا۔ پھر بعد مغرب نجی نشست میں مجھ سے علاج دریافت کیا گیا تھا کہ ہم قدیم جاں نثاروں کی حق تلفی مسلم لیگ سے ابھرنے والے کانگریسیوں کے مقابل میں کیوں کی جاتی ہے۔ اور ڈرتے ڈرتے میں نے عرض کیا تھا کہ فریاد و شکایت بیکار ہے۔ ضرورت ہے کہ قوت پیدا کی جائے اور اپنی اہمیت جتائی جائے تو مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ اُس وقت بجلی کی طرح یہ وہم بھی گذرا تھا کہ اس طرح کی شکایتیں مولانا ابوالکلام صاحب کے مقصد کو پورا کر سکتی ہیں یا نہیں۔

مجھے یاد ہے تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کے انتشار کو دور کرنے کے لئے ہندوستان کے محترم وزیر تعلیم نے لکھنؤ میں ایک کانفرنس کی تجویز پیش کی تھی۔ میں نے فوراً ہی ان کو لکھا کہ کانفرنس سے کچھ نہ ہوگا۔ اس وقت صحیح قائد کی ضرورت ہے اور بہترین قائد مرحوم الہلال کا ایڈیٹر ہی ہو سکتا ہے۔ جواب نہیں ملا۔ مگر یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ گاندھی جی نے بھی اس تجویز کو پسند نہیں کیا بہرحال جب یہ آزاد کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی تو کانفرنس کے پنڈال کا میں منتظم تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر خیال اور ہر جگہ کا مسلمان شریک ہوا اور اتنا بڑا اجتماع دیکھنے میں نہیں آیا۔ کانفرنس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہوا کرتا ہے کہ نشستند و گفتند و برخاستند لیکن پنڈال کے دروازے پر کھڑے ہو کر جو تاثرات معائنہ میں آئے اس کو میں ہی جانتا ہوں۔

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

مجھے یاد ہے کہ دارالمصنفین اعظم گڈھ میں رخنہ پڑا۔ ممکن ہے کہ اسی اختلاف پر قابو نہ پا سکنے کی وجہ نے مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کو پاکستان پہونچا دیا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہاں کی اس فرقہ بندی میں اپنے دعوے کے مطابق ایک فریق کی پشت پناہی شری انگورا ئے شاستری نے کی۔ بہرحال نئی دنیا بس گئی اور بخیر گذشت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن بعد میں جب درس گاہِ دیوبند میں اختلافات رونما ہوئے تو اخبار والوں نے خوب ڈھول بجائی اور جو ہونا تھا وہ ہوا۔ مگر مجھے افسوس و عبرت کے ساتھ یاد ہے کہ اسی زمانہ میں دو ڈھائی فٹ اونچے فائلوں کا پلندہ گز ڈیڑھ گز کے فاصلہ سے میں نے دیکھا تھا اور وہ مشتمل تھا سی آئی ڈی کی رپورٹوں پر۔ اُن کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے کہاں کہاں بغاوت کی تقریریں کیں۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ مولانا رح نے ٹرکی یا شام کو ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو ایک مسٹر صاحب نے انہیں اُن کی مسلمانوں کی اور ملک کی بہتری کی خاطر اس ارادہ سے باز رکھا۔ پھر اس کے بعد بجائے سیاسی تقریروں کے وہ وعظ و مولود خوانی پر اُتر آئے تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اور یہ تو ابھی حال کی ہی بات ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی جب نامکمل ڈائری شائع ہوئی تو تقسیم ہند کے متعلق ان کا ذاتی اور چشم دید بیان مشکوک سمجھا گیا اور مختلف تاویلوں کا نشانہ بن گیا۔ تقسیم ہند کے حالات پر ظریفانہ انداز میں اسی وقت میں نے بھی کچھ اشارے اپنے چند مضامین میں کئے تھے جو میری کتاب "گردِ راہ" میں شامل ہیں۔ میرے سُنے سُنائے اشاروں میں اور حضرت مولانا مرحوم کے چشم دید حالات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ مولانا کی ڈائری پڑھ کر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ شاید انھوں نے بھی ان حالات میں استغفے کی ٹھانی ہو ورنہ ابوالکلام ابوالسکوت کیوں بن گئے۔

"نظرات" میں درج ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی روحانیت کا گاندھی جی نے اعتراف کیا تھا اور گرویدگی کے قائل تھے۔ مگر صحبت صالح کا اثر اس سے زیادہ کیوں نہ ہو سکا اور یہ کہ کسی عالم نے باوجود قربت و صحبت کے گاندھی جی کی روحانیت کا جائزہ کیوں نہیں لیا۔ غالباً یہ کام صوفی کر سکتا تھا مگر وہ گاندھی جی سے دور رہا۔ فوائد الفوائد میں پوری تشریح موجود ہے۔ مگر حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ کا تجربہ اور مطمحِ نظر قابلِ غور ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ایں قوم را چنداں بگفت کسے دل نہ گردد"

یعنی صرف باتوں سے اس قوم کے دل کو پھیر دینا مشکل ہے

فاعتبروا یا اولی الابصار

مختصر یہ کہ میری ان "میدالموں"[۱] پر کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں اپنی نمائش کر رہا ہوں۔ حاشا نہیں۔ اگر مجھ میں اہلیت ہوتی تو میں مسٹر امبیدکار کی تقلید کرتا۔ یا راج گوپال اچاریہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا۔ یا کم از کم مشفقی و محترمی ڈاکٹر سید محمود صاحب کی حالیہ کانفرنس میں تماشائی ہی کی حیثیت سے حاضر ہو جاتا۔ اس اقرار صالح کے بعد میرا دماغ اور میرا قلم دونوں یکدم میرا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ میرا مدعا محض یہ ہے کہ ایڈیٹر صاحب برہان کو اس لیے ربط بڑھے سے اپنا شعر مکمل کرنے کے لئے شاید کوئی قافیہ مل جائے۔ پھر ردیف تو تابع مہمل ہی ہوگی۔

---

[۱] میدانم کی جمع ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

ایک عظیم الشان کتاب جس میں اسلام کے پیش کیے ہوئے اصول و قوانین کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں اسلام کا نظامِ اقتصادی ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کا راستہ نکالا ہے اور جس پر عمل کرنیکے بعد سرمایہ و محنت کی کشمکش ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی ہے۔ زیر نظر ایڈیشن میں بہت سے اضافے کئے گئے ہیں۔ مضامین کی ترتیب کی نوعیت بھی بدل گئی ہے۔ اسلام کے نظام معاشی کے ساتھ موجودہ صنعتی اور معاشی مسائل کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ تالیف مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب رفیق ندوۃ المصنفین صفحات ۴۰۰ بڑی تقطیع۔ قیمت چھ روپے مجلد سات روپے۔ **مکتبہ برہان۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی ملا**

© rasailojaraid.com